اسلام میں بیت المال کا تصور

جناب ڈاکٹر حمید اللہ،

بیت المال کا لغوی معنی: خزینۃ المال یعنی مال کا خزانہ ''حکومت اسلامی کا خزانہ'' ''مال یا دولت کا گھر۔

اصطلاحی تعریف:

''کسی مسلم ریاست کے خزانے یا اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو ریاست بلکہ اسلامی حکومت عام رعایا کی اصلاح و بہبود کے لئے خرچ کرتی ہے۔

''بیت المال سے مراد مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی، ملی جائیداد کا ضامن بھی، تجارت کا ادارہ بھی، امانت کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی۔''

بقول مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے حکومت ربانی (خلافت اسلامی) کے لئے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔ اس خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ اور اگر چہ کبھی کبھار ''بیت المال'' کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

''اسلامی ریاست اپنی مالیتی پالیسی کو بروئے کار لانے کے لئے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ ''بیت المال'' کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے نظام مالیات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔''

Baitul Mall means treasurer, especially that of State and is applied not to the actual building in which the financial

business of the State is transacted but also in a figurative sense to the national exchequer or fiscus"

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم کے نمائندوں کے مشورے کے مطابق ہونا چاہئے...... مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔

تاریخ وارتقاء:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال کا باقاعدہ وجود نہیں تھا۔ اس کا قیام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''اسلام میں فاروق اعظم سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آئی تھی کہ جس کے رکھنے کے لئے ''بیت المال'' یا خزانہ بنایا جاتا اور نہ اس کی ایجاد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو رقمیں آتی تھیں وہ کل ایک ہی نشست میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی اس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ جو مال آتا اس کو تقسیم کر دیا جاتا۔ ۱۵ھ میں یا اس کے قریب ''بیت المال'' کی ابتداء یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ درہم آیا۔ حضرت عمر نے اس رقم کثیر کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تجویز دی کہ اس کو ایک سال کے اندر تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی مخالفت کی ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام کے یہاں خزانہ اور دفتر جدا جدا محکمہ دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو پسند کیا اور ''بیت المال'' کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ''بیت المال'' قائم ہوا اور اس کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے اور حساب و کتاب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ اور صوبوں اور صدر مقاموں میں ''بیت المال'' قائم کئے اور اس کے آفیسر جداگانہ مقرر فرمائے۔ مدینہ کے علاوہ اور صوبہ جات اور اضلاع کو یہ ہدایت تھی کہ وہاں کے ضروری مصارف کے لئے رقم نکال کر بقیہ جس قدر ہو سال تمام ہونے پر مدینہ منورہ کے ''بیت المال'' میں بھیج دیا کریں۔ چنانچہ عمرو بن العاص کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس کے الفاظ تھے۔

☆من استعجل الشئی قبل اوانه عوقب مجرمانه ☆

"فاذا حصل الیک و جمعتہ اخرجت منہ عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لابد منہ ثم انظر فما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ"

ترجمہ: "تجھ کو کل مالیہ وصول ہو جائے تو ان کو جمع کر لے اس میں سے مسلمانوں کے ضروری وظائف اور ضروریات نکال لے اس کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ میرے پاس بھیج دے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ "بیت المال" کی عمارت تعمیر کروائی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "بیت المال" قائم کیا تھا۔ لیکن عموماً خالی رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے "بیت المال" کو خالی پایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں "بیت المال" کے سلسلے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے الگ کوئی طریقہ اختیار کیا ہو بلکہ حضرت عمر کے نظام "بیت المال" کو قائم رکھا۔ بے شک حضرت عثمان کے دور میں "بیت المال" کی آمدنی بڑھ گئی۔

حضرت علیؓ نے بھی "بیت المال" کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کی طرح اہتمام کیا۔ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے "بیت المال" سے دس ہزار کی رقم لے لی تھی۔ حضرت علی کو معلوم ہوا تو وہ رقم اُن سے واپس کروا دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع "بیت المال" کے نگران تھے ایک دفعہ انہوں نے "بیت المال" سے ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا تو حضرت علی ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔

خلافتِ راشدہ کے دور حکومت میں "بیت المال" کی آمدنی تسلی بخش تھی صرف سواد اور کوفہ کا خراج حضرت عمرؓ کے آخری عہد میں ایک کروڑ درہم تھا۔ آمدنی خرچ سے بڑھ گئی تھی، ہر طرف سادگی تھی، تنخواہوں میں اعتدال تھا، خلفاء خود اور ان کے امراء "بیت المال" سے کم فائدہ اٹھاتے تھے۔

اموی دور میں بھی "بیت المال" کا تعلق اسی نہج پر رہا جس طرح کہ حضرت عمر فاروقؓ مقرر کر گئے تھے۔ کوئی قابل ذکر تبدیلی کا ذکر نہیں ملتا، صرف خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کچھ مالی

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

اصلاحات کی تھیں، جن کا ذکر قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کیا ہے:

''عبدالملک بن مروان حکمران ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے محاصل کے بارے میں ازسرنو جائزہ لیا اور محنت کرنے والوں کے لئے مناسب حیثیت میں معاوضہ کا انتظام کروایا۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیت المال کے مصارف میں کافی اصلاحات کیں، ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا، اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے ان کے قرض کی ادائیگی کی مد قائم کی۔

شیر خوار بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے۔ ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ڈھائی سال کی خلافت میں لوگ اتنے خوشحال ہوئے تھے کہ کوئی شخص ''بیت المال'' سے صدقہ ''زکوۃ'' لینے کے لئے تیار نہ تھا۔

عباسی دور میں مالی نظام کم و بیش وہی رہا۔ آمدنی کا سب سے بڑا حصہ خراج تھا۔ بعد کے ادوار آمدنی کے اہم ذرائع خراج اور غیر شرعی ٹیکس رہے ہیں۔ علاؤالدین خلجی نے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا۔

آج کل تمام اسلامی ممالک (الا ماشاء اللہ) میں بیت المال کا نظام تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ اس نظام کو ازسرنو نافذ العمل کرنے کی ضرورت ہے۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی

بیت المال کے ذرائع آمدن حسب ذیل رہے ہیں

العشر، الخراج، الجزیۃ، الفئی، الزکوٰۃ، الخمس، العشور، الوقف، اموال فاضل، مزید محاصل (عارضی ٹیکس) ان کی تفصیل یوں ہے۔

ا۔ العشر:

عشری زمین وہ ہے جس کے باشندے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیں یا فوج کشی کے

ذریعے غیر مسلموں کا علاقہ فتح ہو جائے اور وہ زمین مسلمانوں (فاتحین) میں تقسیم کی جائے یا وہ زمین (بنجر) جس کو مسلمان آباد کر لے۔

قرآنِ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (و اتوا حقه يوم حصاده) انعام: ۱۴۱۔

ترجمہ: جس دن کٹیں (یا توڑے جائیں) ان کا حق ادا کرو۔

اور حدیث نبوی ہے:

فيما سقت السمال العشر و فيما سقى بالنضح نصف العشر.

اگر ندی نالہ اور تالاب سے سیراب شدہ زمین ہے تو اس کی پیدا وار پر نصف عشر (بیسواں) زکوٰۃ فرض ہے۔

۲۔ الخراج:

خراجی زمین وہ ہے جس پر مسلمان قوت (فوج کشی) کے ذریعے قابض ہو جائے اور زمین مفتوح غیر مسلموں کے پاس رکھ چھوڑے اور اس پر خاص ٹیکس مقرر کرے جو وہ ادا کریں۔

سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران، عراق اور مصر کی زمینوں کو خراجی قرار دیا، بعد ازاں بہت سے دوسرے علاقے فتح ہوئے تو ان کی بعض زمینیں خراجی قرار پائیں۔

جو زمینیں ایک دفعہ خراجی قرار دے دی جائیں ان پر ہمیشہ خراج ہی عائد ہوگا خواہ بعد ازاں وہاں کے باشندے اسلام قبول کر لیں یا وہ زمینیں مسلمان خرید لیں۔

۳۔ الجزیہ:

ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں، جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لئے آمادہ ہوں اور ریاست اس پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی جزیہ سے مستثنٰی ہیں جو مال نہیں رکھتے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو جہاد کے لئے روانہ فرماتے تو غیر مسلموں

کے سامنے تین شروط رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

(الف) قبولِ اسلام کی دعوت (ب) جزیہ کی ادائیگی (ج) آخری بات جہاد (قتال)

۴۔ الفیٔ :

جو مال جنگ بندی کے بعد اور اس ملک کے اسلامی ملک بننے کے بعد ان مفتوح لوگوں سے حاصل ہو وہ فیٔ ہے۔ یعنی بغیر جنگ (قتال) کے حاصل ہو جائے۔ یہ مال سارے کا سارا بیت المال کا حصہ ہے۔ اس میں خمس (۱/۵) ہی نکالا جائے گا۔ اور یہی نوعیت اس مال کی بھی ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے دشمن سے مل جائے۔ صلح کے نتیجہ میں مفتوح ملک سے حاصل ہونے والا مال بھی فیٔ میں شامل ہے۔

۵۔ الزکوٰۃ :

زکوٰۃ اسلامی ریاست کے ہر عاقل و بالغ و مسلمان پر فرض ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو، نابالغ بچوں، مجنوں افراد کے مال میں زکوٰۃ کے قائلین اکثر علماء ہیں یعنی جمہور، احناف کے نزدیک نابالغ بچوں اور مجنوں افراد کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے لیکن مویشی، نقد اور مال تجارت میں زکوٰۃ نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ ان کے مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مختلف اموال پر زکوٰۃ کی شرح:

چاندی کا نصاب بالاتفاق دو سو درہم ہے۔ درم کے وزن میں علماء کا اختلاف ہے پاکستان و ہندوستان میں عام طور پر زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے ۵۲ تولہ یا ۶۱۲،۴ گرام کے برابر ہے۔

سونے کی وہ کم از کم مقدار جس کے مالک سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اکثر فقہاء کے نزدیک بیس دینار ہے۔ پاکستان و ہندوستان میں مشہور نصاب ساڑھے ۷ تولہ یا ۸۷،۵ گرام ہے۔

زیادہ مناسب راجح مسئلہ یہ ہے کہ سونے کو معیار بنانے کے بجائے چاندی کو معیار مقرر کیا جائے۔ اس بات کی تائید ابو مسعود کاسانی (حنفی) نے کی ہے۔ سونے اور چاندی کی شرح زکوٰۃ ڈھائی فیصد سالانہ ہے۔ یہی شرح نقد سرمایہ کے لئے بھی ہے۔

☆ درء المفاسد اولی من جلب المصالح ☆

مالِ تجارت:

ان پر بھی تمام فقہاء (اہل ظاہر کے علاوہ) کے نزدیک زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ سامانِ تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔

تجارتی مال پر زکوٰۃ عائد کرنے کی حکمت تاجروں کو احتکار اور اکتناز (ذخیرہ اندوزی وغیرہ) سے روکنا ہے اور مصنوعی قلت اور قیمتوں کے چڑھاؤ پر قابو پانا ہے۔

مویشیوں پر زکوٰۃ:

مویشیوں پر زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

(الف) جانور جنگل میں چرنے والے ہوں (سال کا بیشتر حصہ)

(ب) ان جانوروں کو خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گزر جائے درمیان سال میں نصاب میں کمی نہ آئے۔

اونٹ کا نصاب پانچ (۵)، گائے بیل اور بھینس کا تیس (۳۰)، بھیڑ، بکری اور دنبہ کا چالیس (۴۰) ہے۔

نقود (بینک نوٹ):

نقد روپیہ وغیرہ پر اس صورت میں زکوٰۃ فرض ہوگی اگر وہ اتنی ہو کہ چاندی کا نصاب یعنی ساڑھے ۵۲ تولے یا ۶۱۲٫۴ گرام چاندی خرید سکے اور یہ نقدی سال کے دونوں طرف پائی جائے۔

۶۔ الخمس:

اسلام کے نظام مالیات میں خمس ۱/۵ مندرجہ ذیل اموال پر ہے۔

(الف) مالِ غنیمت کا ۱/۵ (ب) دفینوں کے مال کا ۱/۵ (ج) کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی کا ۱/۵۔ یہ خمس بیت المال کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واعلموا انما غنمتم من شیء فان للّٰہ خمسه و للرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل."

☆ جلبِ مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے ☆

ترجمہ: جان لو! کہ تم کو کسی چیز سے مالِ غنیمت ملے تو اس میں پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کیلئے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''رکاز (دفینہ) پر خمس ہے۔''

۷۔ العشور:

مالِ تجارت پر عائد کردہ ٹیکس کا نام ''عشور'' ہے۔ چونکہ ایران اور روم کی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی بھی مسلمان تاجران کی سرحدوں میں تجارت کے لئے داخل ہوتے تو وہ حکومتیں ان سے ٹیکس وصول کرتیں لیکن غیر مسلم تاجر جب مسلمان ریاست میں آتے تو کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ اس معاملہ کو حضرت موسیٰ الاشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تو آپ نے یہ فرمان جاری کیا:

''خذأنت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين و خذ من اهل الزمة نصف العشر و من المسلمين من كل أربعين درهما درهم ما زاد فبحسابه.''

ترجمہ: اہل ذمہ سے نصف عشر ۲۰/۱ اور مسلمانوں سے یہ چالیس درہم پر ایک ۴۰/۱ درہم وصول کرلیں اور زائد مال پر اسی حساب سے وصول کریں۔

۸۔ الوقف:

بیت امال کی آمدنی کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے۔ یہ آمدنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ یا اسی قسم کی جائیداد سے ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الخراج وغیرہ۔

۹۔ اموال فاضلہ:

اس میں بیت المال کی متفرق آمدنیاں شامل ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال ''بیت المال'' کا حق ہے۔ اسی طرح کوئی مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر ''بیت المال'' کی ملکیت ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ مزید محاصل (عارضی ٹیکس):

مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اولاً یہ کہ

شرعی محاصل سے ہونے والی آمدنی ریاست کے بنیادی فرائض: دفاع، جہاد، تعلیم و تربیت، دعوت اسلام، تبلیغ (امر بالمعروف و نہی عن المنکر)، قیام عدل اور کفالت عامہ کے لئے ناکافی ہو۔ ثانیاً: اسلامی ریاست کو ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اور خود اپنے مصارف حکمرانی پورے کرنے کے لئے مزید مال کی ضرورت ہو۔ اس لئے کہ عشر و زکوٰۃ کی آمدنی کو مصارف حکمرانی پر نہیں خرچ کیا جا سکتا۔

ثانیاً: اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر ہر آدمی کی کفالت کا انتظام کرے اور معاشی ناہمواری دور کرنے کے انتظامات کرے۔ اس سلسلہ میں ابن حزم کا موقف ہے:

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کے فئے اس کے لئے کافی نہ ہوں تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں کی سے محفوظ رکھ سکے۔''

اس موقف کے مؤیدین میں اور بھی حضرات ہیں:

بیت المال کے اخراجات (مصارف):

ہم مصارف کو چار شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلا شعبہ: غنائم، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات پر مشتمل ہے۔

دوسرا شعبہ: زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے حاصل شدہ تجارتی محصول (عشور) سے تعلق رکھتا ہے

تیسرا شعبہ: خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول شدہ عشور، کراء الارض غیر مسلموں سے تحائف اور ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس) پر مشتمل ہے۔

چوتھا شعبہ: اموال فاضلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ان چاروں شعبوں کا اجمالی تعارف:

۱۔ پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف کو قرآنِ مجید نے خود متعین کیا ہے جن کو ''مصارف ثمانیہ'' کہا جاتا ہے۔

۲۔ تیسرے شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم و نسق اور انتظام و انصرام کے اخراجات پر مشتمل ہیں۔

☆ یکرہ الایثار بالقرب ☆ عبادت میں ایثار مکروہ ہے ☆

۴۔ چوتھے شعبے کے مصارف رفاہِ عامہ اور فلاح کے دیگر تمام کام ہیں۔

اگر کبھی ایک شعبہ کے مصارف بڑھ جائیں اور دوسرے شعبہ میں بچت ہو تو اس مد سے لیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"و علی الامام ان یجعل لکل نوع بیتا یختصه، وله ان یستقرض من أحدها لیصرفه للأخر."

ترجمہ: امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر نوع کے لئے ایک خاص شعبہ بنائے اور اس کو ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

ایک شعبے کی آمدنی کو دوسرے پر خرچ نہیں کیا جا سکتا جیسے ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"ولا ینبغی لامام ان یجمع مال الخراج الی الصدقات والعشر لأن الخراج فئی لجمیع المسلمین والصدقات لمن سهم الله عزوجل فی کتابه"

ترجمہ: اور امام کو نہیں چاہئے کہ خراج کو صدقات اور عشر کے ساتھ ملائے کیونکہ خراج سب مسلمانوں کی مشترک آمدنی ہے اور زکوٰۃ اور عشر متعین افراد کے لئے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

ان شعبہ جات کے مصارف کی تفصیل:

پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف: ان دونوں کے شعبوں کے مصارف ایک ہی ہیں جنہیں مصارف ثمانیہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه و للرسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم بالله وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان ط والله علٰی کل شیء قدیر ٥

ترجمہ: جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے اس میں پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور ان کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے، اگر تم کو یقین ہے اللہ پر (آیہ)

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل الله وابن السبیل ط فریضة من الله والله علیم حکیم o"

ترجمہ: زکوٰۃ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام کرنے والوں کا اور جن کا دل پرچانا مقصود ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے (یعنی قیدیوں اور غلاموں کی رستگاری کے لئے) اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے والوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے یہ مقرر ہے۔ اللہ کی جانب سے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مصارف ثمانیہ کی تفصیلات:

۱،۲۔ فقراء مساکین: مصارف زکوٰۃ میں سب سے اہم حصہ ان دونوں کے لئے ہے اور انہی کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ذکر پہلے ہوا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی معاشرہ ان فقراء و مساکین سے خالی نہیں۔ فقراء وہ لوگ ہیں جو اپنی گزر بسر کے لئے دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔

مسکین:

لفظ مسکین کے اندر وہ تمام اشخاص شامل ہیں جنہیں بڑھاپے یا بیماری یا غیر معمولی حالات نے بالکل ناکارہ اور نکما کر دیا ہو اور وہ اپنی روزی خود نہ کما سکیں۔ امام راغب الاصفہانی کے نزدیک **المسکین من لا شیء له** (یعنی جس کے پاس کچھ نہ ہو) اور یہ فقیر سے ابلغ ہے یعنی بنسبت فقیر کے مسکین زیادہ نادار ہوتا ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک مسکین سے فقیر زیادہ تنگدست ہوتا ہے۔ مساکین اور فقراء کے لئے صرف ایک سال یا ایک ماہ کے لئے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی بلکہ ان کے لئے مستقل طور پر زکوٰۃ دی جائے گی یہاں تک کہ ان سے تنگدستی دور ہو جائے اور صاحب نصاب ہو جائیں اور ضروریات زندگی کے حصول میں رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ ابو عبید نے اس اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے، جس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر محمد بن مسلمہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مالِ زکوٰۃ سے ان کو

محروم رکھا۔ اس پر حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کی گرفت کی اور انہوں نے بھی افسوس اور اظہارِ ندامت کیا پھر اس مستحق کا حق ادا کیا۔

اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اسلامی ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں، معذوروں اور غرباء و مساکین کی امداد اور بحالی کے لئے ایک خاص مستقل حصہ مختص کر دیا جبکہ انگلستان میں امدادِ محتاجان کا قانون ۱۶۰۱ء میں پاس کیا گیا۔

عاملین علیہا:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے وصول کرنے، محفوظ رکھنے تقسیم کرنے، اور اس کا حساب و کتاب رکھنے کا کام کرتے ہوں۔ گویا یہ لوگ یہ حصہ بطورِ حق خدمت لیتے ہیں نہ کہ حصہ بطور حقدار کے۔

مؤلفۃ القلوب:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوں اور ان کو اسلام سے وابستہ رکھنے کے لئے مال دیا جائے۔ اور غیر مسلم کو اسلام سے مانوس کرنے اور اس میں داخل ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے مال دیا جائے یا اس لئے مال دیا جائے تاکہ ان کی قوم میں جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان کی دشمنی نہ کریں، فی الجملۃ اسلامی ریاست کے مفاد کی ترویج کے لئے بھی مال دینا اس مد کے تحت آتا ہے۔

فی الرقاب:

سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا بھی ہے اور مکاتب غلام بھی مراد لیا گیا ہے کیونکہ مالِ زکوٰۃ کے وہی مستحق ہوتے ہیں، جو مسلمان قیدی دشمن کے پاس ہوں ان کا فدیہ زکوٰۃ سے دے کر آزاد کرانا بھی اس کے تحت آتا ہے۔

احناف کے نزدیک زکوٰۃ کی مد سے صرف مکاتب غلام کو دیا جا سکتا ہے۔ غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جا سکتا۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

الغارمین :

سے مراد قرض یا تاوان کے بارے دبے ہوئے ایسے افراد ہیں جو اگر اپنا قرض پورا ادا کریں تو صاحب نصاب نہ رہ جائیں۔ غارم کا لفظ ان تمام مقروضوں کو شامل ہے جو اپنی ذاتی جائز ضروریات یا مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے قرض لیتے ہیں۔

فی سبیل اللہ :

سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ خواہ وہ تلوار سے ہو یا قلم و زبان سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور دوڑ دھوپ سے، سلف میں سے کسی نے بھی اس لفظ کو رفاہِ عامہ کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ ان کے نزدیک بالاتفاق اس کا مفہوم ان مساعی تک محدود ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے اس کی اشاعت کرنے اور اسلامی مملکت کا دفاع کرنے کے لئے کی جائیں۔

ابن السبیل :

یعنی مسافر، خواہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہو، لیکن حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے مدد کا محتاج ہو۔ گھر تک پہنچنے اور ضروریات کی حد تک زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

تیسرے شعبہ کے اخراجات :

اس شعبہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(الف) پہلا حصہ: مسلح افواج کی تنخواہیں اسی مد سے دی جائیں گی۔ تنخواہوں کے علاوہ اسلحہ اور ہتھیار بھی اس مد سے خریدے جا سکتے ہیں۔

(ب) عدلیہ اور انتظامیہ کے مصارف : ان کے مصارف بھی اسی شعبہ سے لئے جائیں گے اور ان اداروں میں کام کرنے والے ججوں اور آفیسروں کی معقول تنخواہیں ہوں گی تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں اور ساتھ ساتھ مشاہروں میں بے جا تفاوت بھی نہ ہو۔

(ج) اسلامی ریاست کے وہ افراد جو دین کی ترویج و تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں ان کے اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے اس ادارہ پر خصوصی توجہ دی اور معلمین و مبلغین کے لئے مشاہرے مقرر کئے۔ ”ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والأئمة والمعلمین.“ یعنی حضرت عمرؓ اور عثمانؓ دونوں مؤذنوں، اماموں اور اساتذہ کو وظائف دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم و تدریس قرآن پر مشاہرے مقرر کروائے تھے۔ ”ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عماله ان اعط الناس علی تعلم القران.“ حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عمالین (گورنرز) کو یہ حکم بھیجا کہ قرآن کی تعلیم پر مشاہرے دیئے جائیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی معلمین کیلئے مشاہرے مقرر کئے تھے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے وظیفے مقرر کئے جاتے تھے۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں بھی یہ شعبہ کام کرتا رہا۔ آج بھی اس شعبہ کو باقاعدہ اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھے شعبہ کے مصارف:

بیت المال کا چوتھا شعبہ (جس کے ذرائع آمدنی اموال فاضلہ اور کفالت عامہ کے ٹیکس ہیں) غرباء، مساکین، معذورین، یتامیٰ، بیوگان اور محروم المعیشت کی معاشی کفالت سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر مال زکوٰۃ کافی نہ ہو تو اس صورت میں اصحاب ثروت پر فاضل ٹیکس عائد کر کے غریبوں کی کفالت کرنا ضروری ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ان فی المال حقاً سوی الزکوٰة) مزید انفاق کی ذمہ داری کا تعلق اسی حصہ پر ہے جو آدمی کی اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو)

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کتنا انفاق کریں۔ کہئے جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”ان اللہ تعالیٰ فرض علی الأغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراء ھم، فان

جاعوا او عروا و جهدوا فبمنع الأغنياء و حق على الله تعالىٰ أن يحاسبهم يوم القيامة، و يعذبهم عليهم."

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے مال میں اتنا حصہ فرض کیا ہے جو غریبوں کے لئے کافی ہو۔ اب اگر یہ لوگ بھوکے، ننگے یا مشقت میں مبتلا ہوں تو اس کا سبب یہی ہوسکتا ہے کہ مال داران کو (ان کا) حق نہ دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ضرور ان مالداروں سے محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا۔

ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ کفالت عامہ کے لئے اگر زکوٰۃ اور فئی کی آمدنی کافی نہ ہو تو مالدار پر مزید محاصل (ٹیکس) عائد کئے جائیں گے۔

"و فرض على الاغنياء من أهل كل بلدان يقوموا بفقرائهم، يجبر هم السلطان على ذالک، ان لم تقم الزكوات بهم، ولا فى سائر اموال المسلمين بهم، فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذى لابد منه، ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک، وبمسكن يكنهم من المطر، والصيف، والشمس و عيون المارة"

ترجمہ: ہر ملک کے مالداروں پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کرسکیں اور وہ اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔

امام شاطبی رحمۃ للہ نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی حمایت کی ہے اگر ضرورت ہو۔

"امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ ضرورت کی حد تک ٹیکس عائد کرے بشرطیکہ امام عادل ہو۔ مالدار لوگوں پر اتنے محاصل عائد کر دے جس کی آمدنی اس وقت کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔"

بیت المال خالی ہونے کی صورت میں فقط شوافع نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس موقف کے حامی امام غزالی، امام سرخسیؒ اور امام الماوردیؒ وغیرہ ہیں۔

متعدد علماء نے جن میں ممتاز شافعی فقیہ عز الدین بن عبدالسلام بھی شامل ہیں یہ فتویٰ دیا

☆ الولاية الخاصة اقوى من الولاية العامه ☆ولایتِ خاصہ ولایتِ عامہ کی نسبت قوی ہوتی ہے

کہ اگر بیت المال خالی ہو تو مزید محاصل عائد کر کے مال جمع کیا جا سکتا ہے اور اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔

''علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکوۃ ادا کر چکنے کے بعد، کوئی ضرورت آن پڑے تو اس کے لئے (مزید) مال صرف کرنا واجب ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائیں خواہ ایسا کرنے میں ان کا سارا مال خرچ ہو جائے۔''

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ اس کے اندر بسنے والوں کی مکمل کفالت کرے۔ بیت المال سے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔ مثلاً صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور ہو جانے کی حالت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اسلامی ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے، بآسانی اور بلا تاخیر بیت المال سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور ریاست کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من ولاه عزوجل من أمور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم و خلّتهم و فقرهم احتجب الله تعالى عنه دون حاجته و خلته" قال: فجعل رجلاً على حوائج الناس"

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور حاجت مندی اور فقر و فاقہ سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے (یہ حدیث سن کر) ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مقرر کر دیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"ما من عبد يسترعيه فلم يحطها بنصيحة لم يجد رائحة الجنة."

☆من استعجل الشئی قبل اوانه عوقب بحرمانه ☆

ترجمہ: جس بندہ کو اللہ نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ حاصل کر سکے گا۔

یہ بھی ارشادِ نبوی ہے: "اللہ و رسولہ مولٰی من لا مولٰی لہ"

ترجمہ: جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا نگران (سرپرست) اللہ اور اس کا رسول ہے۔

رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک مالاً فلأھلہ ومن ترک ضیاعاً فالیّ"

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل (یعنی وارثوں) کے لئے ہے۔ اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری (کفالت اور مال خرچ کرنا میری ذمہ داری ہے) میرے اوپر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"انی حریص علی ان لا أری حاجۃً الاسد دتھا"

ترجمہ: مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں (کسی کو کوئی حاجت ہو) اسے پورا کروں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے یہ بھی اعلان فرمایا تھا:

"ومن أراد أن یسأل عن المال فلیاتنی فان اللہ جعلنی خازناً و قاسماً۔"

ترجمہ: یعنی جو آدمی مال چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (بیت المسلمین کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے۔

اسی انداز سے ذمہ داری کا احساس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو بھی تھا۔ آپؒ نے اعلان فرمایا تھا: **"وما أحد منکم تبلغنی حاجۃ الا حرصت ان أسدّ من حاجتہ ما قدرت علیہ۔"**

ترجمہ: یعنی تم میں سے کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی اور دیگر مالی پریشانی میں ہمیشہ عامۃ الناس کا باقاعدہ

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

کفالت کا اہتمام فرمایا: اور یوں بھی ارشاد فرمایا:

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہو کر مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔''

اسلامی تعلیمات کے اندر کفالت کا تصور صرف اسلامی ریاست کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہل ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی ایک سائل سے ملاقات ہوئی جو بوڑھا بصارت سے محروم بھیک مانگ رہا تھا آپ نے پوچھا کہ تم کس مذہب کے ہو تو اس نے جواب دیا میں یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ (ٹیکس) کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ (راوی) کہتا ہے حضرت عمر اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر سے اس کو کچھ دے دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا اور ان سے کہا۔ اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ اللہ کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑیں۔''

شام کے سفر میں حضرت عمرؓ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جزام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیش نظر ان کے لئے روزینہ (وظیفہ) جاری کرنے کا حکم دے دیا۔

ان آثار و واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد معلوم یہ ہوا کہ اسلامی ریاست میں بیت المال کے ذریعہ تمام افراد کی کفالت عین ممکن ہے۔ اسی اسلامی نظام کو نافذ کرنے اور اس کو منظم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے حکام کو بھی اور عوام کو بھی اسلامی نظام کو کما حقہٗ نافذ کرنے کی توفیق عطا کریں۔

پاکستان میں قیام بیت المال

حکومتِ پاکستان نے بیت المال کی قیام کے سلسلہ میں ایک قانون، جس کو قومی اسمبلی کے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منعقدہ اجلاس نے پاس کیا۔ میرے پیشِ نظر ہے۔ اس مسوہ قانون کا اسلامی

تعلیمات کی روشنی میں مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی:

اس کی تفصیل مذکورہ مسودہ قانون کے صفحہ۲ پر ہے۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی میں مختلف ذرائع ہیں۔جن کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کر چکا ہوں۔ان ذرائع آمدنی میں اوقاف، صدقات اور اموال فاضلہ وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا ان ذرائع آمدنی کی بنیاد پر بیت المال کو چلانا درست اور مشروع ہے۔

اسلامی ریاست اپنی ضروریات کے لئے ہمدرد ممالک، افراد اور اداروں سے قرضے اور عطیات لے سکتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مختلف افراد سے بحیثیت مجموعی ایک لاکھ تیس ہزار درہم قرضے لئے تھے آپ نے فتح ہوازن کے بعد یہ رقمیں ادا کر دیں۔

ہاں اسلامی ریاست خیر خواہ غیر مسلموں کے عطیے اس صورت میں قبول کر سکتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ممالک کے حکمرانوں کے ہدیے قبول کئے ہیں۔مصر سے مقوقس نے آپ کے خط کے جواب کے ساتھ کچھ ہدیہ بھی بھیجا تھا جسے آپ نے قبول فرمایا۔

اسی طرح حبشہ کے حکمران نجاشی نے بھی آپ کو تحفہ بھیجا جسے آپ نے قبول فرمایا۔ بل کے صفحہ۳ پر مصارف بیت المال اور صفحہ۱۱ پر اس کے اغراض و مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ان کو پیش نظر رکھ کر ہم اس پر یوں اظہارِ خیال کر سکتے ہیں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا انتظام کرے۔ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔

ہر وہ ضرورت بنیادی ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی ہے مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی عدم تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ نصوص پر غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں، مخصوص افراد کے لئے اسی اصول کے تحت بعض دوسری ضرورتیں بھی یہی نوعیت اختیار کر سکتی ہیں۔

اگر بیت المال کے نظام کو (حکومتِ پاکستان) منظم کر لے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل عیال (وارثوں) کے لئے ہے اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی (کفالت کی) ذمہ داری میرے سر ہوگی۔''

ان مذکورہ بنیادی ضروریات کے علاوہ ایک اہم ضرورت عام تعلیم بھی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان (سریانی) لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا۔

صفہ کی اسلامی درس گاہ میں شریک ہونے والے قرآنِ کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہاں بعض لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لئے معلم مقرر کئے تھے، جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لئے باتنخواہ معلم مقرر کئے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے طالب علموں کے لئے اور ایسے افراد کے لئے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسب معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کئے تھے۔

آپ (حضرت عمر بن عبدالعزیز) نے شام میں نابینا افراد، فالج یا کسی دوسرے مزمن مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کیلئے سرکاری طور پر خادم فراہم کئے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر عارضی قیام و طعام کا انتظام کر دیا تھا تاکہ ہنگامی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو جائے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بیت المال سے مقروض افراد کو ادائے قرض کیلئے مالی امداد دی جائے۔

بعض آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کیلئے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک حکم نامہ والی کوفہ زید بن عبدالرحمٰن کو بھیجا تھا جس میں کہا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے ایسے لوگوں کی مدد کی جائے جنہوں نے شادی کی ہو اور ان کے پاس نقصد نہ ہو۔

☆الضرر لا یزال بالضرر نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا☆

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہل حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضریات کی تکمیل لازمی ہے، مگر حتی الامکان دوسری اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہئے۔

اسلام کے بڑے بڑے فقہاء اور مفکرین کی جماعت نے اس کی واضح الفاظ میں صراحت کی ہے۔ ان میں ابویعلی، الماوردی، ابن حزم اور امام غزالی وغیرہ ہیں۔

ضرورت مند کو پرکھنے کے لئے کیا کیا انتظامات ہوں تاکہ کوئی غیر مستحق فرد ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس کے سدباب کے لئے حکومتِ پاکستان پر ضروری ہے کہ وہ اخلاقی تربیت، رائے عامہ کے دباؤ اور تعزیری سزاؤں سے اس کا تدارک کرے۔ قابل کار افراد کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے پہلو بہ پہلو کام کرنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے کہ بغیر محنت کئے ہوئے محض ریاست کی مدد کے ذریعہ فرد کو جو معیار زندگی میسر آ سکتا ہو وہ اس معیار سے فروتر ہو جو خود کسب معاش کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسی نفسیاتی، معاشی اور قانونی تدابیر ممکن ہیں جن کے ذریعہ مذکورہ بالا خرابیوں (بے کاری، آرام طلبی وغیرہ) کا بڑی حد تک سدباب کیا جا سکتا ہے خود عام انسانوں کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ فقر اور امداد طلبی کی زندگی کو دیدہ و دانستہ اس بات پر ترجیح دیں کہ اپنی روزی اور اپنی قوتِ بازو سے حاصل کی جائے۔ لیکن اس حقیقت اور ہر طرح کی تدابیر کے باوجود اگر معاشرہ میں کچھ افراد ان انتظامات (نظام بیت المال) سے بے جا فائدہ اٹھاتے رہیں تو یہ خرابی اس عظیم خرابی کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے، جو اس طرح کا انتظام نہ کرنے کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے۔ یعنی بہت سے افراد بنیادی ضروریات کی عدم تکمیل، اس کے نتیجہ میں اموات اور اس صورت حال سے پیدا ہونے والی نفسیاتی الجھنیں، اخلاقی مفاسد اور روحانی اضمحلال اور انحلال۔

بیت المال کی اس مد سے غیر مسلموں کی کفالت بھی جائز ہے یعنی بلاامتیاز جنس، ذات، مسلک یا نسل۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام کے سفر میں تھے راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جزام میں مبتلا تھے آپ نے ان کے لئے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔

غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمرؓ کی شفقت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ابتداء ہی سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ نبی پاک نے اہل حمیر کو

مخاطب کرتے ہوئے جولکھا تھا اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب اہل حمیر کے ساتھ، جو عیسائی تھے معاہدہ کیا تو اس میں یہ دفعہ بھی رکھی کہ ''میں نے یہ ان کا حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آ پڑے یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں اس کا جزیہ (ٹیکس) ساقط کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائیگی۔

مسودہ بل کے باب چہارم صفحہ ۴ پر چیئرمین (امین) اور ارکین کے عہدے کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ ان شروط کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس میں علماء، فقہاء اور اسلامی قانون میں مہارت رکھنے والے اشخاص کے علاوہ باقی افراد کو شامل نہ کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھ کر اس نظام کو چلانا ہے بے شک منتخب نمائندگان اور سماجی کارکنوں میں سے اگر ماہر شریعت و ماہر حسابات میسر آ جائیں تو ان کو ضرور ان عہدوں پر فائز کیا جائے۔

اسی مؤقف کی تائید کے لئے ہمارے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بطور دلیل موجود ہے۔ جب حضرت عمر فاروق نے باقاعدہ بیت المال کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں بیت المال قائم کیا تو اس کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے ان کی امانت کا یہ حال تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مختلف لوگوں کو خطوط لکھواتے اور مہر بھی ثبت کرواتے اور دوبارہ ملاحظہ نہیں فرماتے بلکہ ان پر اعتماد کرتے۔ آپ کاتبین وحی میں شامل تھے۔ حضرت عثمان نے ان کو امین (خازن) بیت المال کی حیثیت سے معقول رقم کی پیش کش کی مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔

لہٰذا امین اور دیگر ارکان بیت المال کا شرعی امور خصوصاً مالیات کے معاملہ میں ماہر ہونا اور مخلص و دیانتدار ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان اللہ یأمرکم ان تؤدو الأمٰنٰت الی اھلھا)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔

اسی آیت کریمہ میں ہر قسم کے ذمہ کو اس کے اہل کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بخاری و مسلم میں فرمانِ نبویؐ ہے جس میں امانت میں خیانت کو نفاق کی ایک خصلت قرار دیا ہے۔

☆ درء المفاسد اولی من جلب المصالح ☆

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اونٹ کا ایک بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لے کر فرمایا:

''لوگو! اللہ کی قسم تمہارے فئے میں سے میرے لئے یہ بال بھی نہیں۔ بجز (غنیمت کے) پانچویں حصہ کے، اور یہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے۔''

امانت اور اخلاص (اور احتیاط) کی چند مثالیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ شہد کی ضرورت پڑی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن آپ نے پہلے مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اجازت طلب کی اور فرمایا۔ ''اگر تم مجھے اس کے بارے میں اجازت دو، ورنہ اس کا لینا میرے لئے حرام ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب ذاتی کام کرتے یا نفل ادا کرتے تو بیت المال کا چراغ بجھا دیتے اور اپنا ذاتی چراغ استعمال کرتے۔

آپ سے پہلے اموی حکمران شان وشوکت اور شاہانہ کروفر پر جو کثیر مصارف بیت المال سے کرتے تھے ان کو آپ نے یک قلم بند کر دیا اور ایسے سارے املاک کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا۔

بیت المال کے سلسلہ میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مالِ غنیمت میں آئی ہوئی مشک کی خوشبو سونگھنا یا مطبخ عام کی آگ پر وضو کے لئے پانی گرم کرا لینا بھی گوارا نہ تھا۔

خلفاء راشدین رحمہم اللہ بیت المال کے بارے میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ صاحب مال تھے انہوں نے اپنا سارا وقت امور ریاست کی نذر کر دینے کے بعد بھی بیت المال سے کوئی مشاہرہ لینا پسند نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ انہوں نے اپنے منصب خلافت میں مشاہرہ کے طور پر جو کچھ لیا ہے اس کا حساب لگا کر اتنی رقم ان کے ترکہ میں سے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ضروریات اپنے ذاتی مال سے ہی پوری کیں۔

حضرت عمر عبدالعزیزؒ نے اُس سالانہ وظیفہ کے علاوہ جو فئے کے مال میں سے دوسرے مسلمانوں کی

طرح ان کو بھی ملتا تھا، بیت المال سے اپنی خدمت کے عوض کوئی مشاہرہ نہیں لیا۔

مسودہ قانون کے باب دہم صفحہ ۸ پر حساب اور محاسبہ کے عنوان سے تفصیل دی گئی ہے اسکو پیش نظر رکھ کر اسلام میں نظامِ احتساب کی اہمیت اور طریقِ کار کے بارے میں کچھ عرض کرونگا۔

خلفائے راشدین کے دور میں مدات آمدنی بیت المال کے آفیسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔ سختی کے ساتھ آمدنی و خرچ کا حساب رکھوایا جاتا۔ اس طرح عمال کی تعیناتی کے وقت ان کے مال و اسباب (جائیداد) کی ایک فہرست تیار کر لی جاتی۔ واپسی پر اگر کسی کا سامان فہرست میں درج شدہ چیزوں سے زیادہ نکلتا تو باقاعدہ باز پرس ہوتی اور زائد مال ضبط کر کے ''بیت المال'' میں داخل کر دیا جاتا۔

اگر کوئی عامل قصوروار ہوتا تو اسے مجمع عام میں سرزنش کی جاتی اور عہدہ سے معزول کر دیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بجز ابوعبیدہؓ اور امیر معاویہؓ کے کوئی عامل بھی حضرت عمرؓ کے باز پرس سے محفوظ نہ رہا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا تھا جب وہ وہاں سے آئے تو سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار خود اپنا مال بھی ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب طلبی کے بعد ان کا مال ضبط کر لیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت عمرو بن العاص اور سعد بن ابی وقاص کا آدھا مال بھی ضبط کر لیا۔

حضرت عمر نے عتبہ بن ابی سفیان کو کنانہ کا عامل مقرر کیا تھا جب واپس آئے تو ذاتی مال بھی ساتھ لائے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے تجارت کی ہے حضرت عمر نے ان کا سارا مال بیت المال میں داخل کر لیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ بیت المال کا مال اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی کو اس پر مالکانہ تصرف حاصل نہیں اور مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔

خوش آمدید .... منے میاں .... خوش آمدید

ترجمانِ اہل سنت کے انتقال کے برسوں بعد مادرِ علمی دار العلوم نعیمیہ کی کوکھ سے ایک نئے صحافی منے نے جنم لیا ہے ۔ اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔ اور ڈھیر سارے مفتیوں و عالموں کے زیرِ سایہ تم جلدی بڑے ہو جاؤ ...... اهلا وسهلا بك ايها المولود الجديد ۔ النعیم ۔

☆ یکرہ الایثار بالقرب ☆ عبادت میں ایثار مکروہ ہے ☆

بیت المال سے متعلق چند اہم مراجع

نام کتاب عربی کتب	مؤلف	مکان و تاریخِ طبع
۱۔ الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیۃ	ابوالحسن الماوردی	مصطفیٰ البابی، القاہر، ۱۳۴۸ھ
۲۔ ایضاً۔	قاضی ابویعلی	مصر
۳۔ السیاسۃ الشرعیہ	تقی الدین ابن تیمیۃ	دارالفکر، بیروت، ۱۳۷۸ھ
۴۔ ایضاً۔	عبدالوہاب خلاف	مطبع سلفیہ، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ
۵۔ الطرق الحکمیۃ فی السیاست الشرعیۃ	شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ	مصر۔ ۱۳۱۷ھ
۶۔ کتاب الأموال	ابوعبید القاسم بن سلام	المکتبۃ التجاریۃ القاہرہ، ۱۳۵۳ھ
۷۔ کتاب الخراج	قاضی ابویوسف	مطبع سلفیہ، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ
۸۔ ایضاً۔	یحییٰ بن آدم القرشی	القاہرہ۔

اردو کتب و مقالات

۹۔ اسلام کا نظام بیت المال	مولانا محمد بخش مسلم	مکتبہ خاور، لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۰۔ اسلام کا نظامِ مالیات	ڈاکٹر نور محمد غفاری	مکتبہ نعمانیہ، ڈیرہ اسماعیل خان
۱۱۔ اسلام کا نظریہ ملکیت جلد ۱، ۲۔	ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۹ء
۱۲۔ اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام	رفیع اللہ شہاب	اسلام آباد۔ ۱۹۷۳ء۔
۱۳۔ اسلام میں بیت المال کی تاریخ	شہناز انور	شعبۂ اسلامیات، نمبر لائبریری ۱۹۷۰/۶ مقالہ ایم اے اسلامیات، جامعہ پنجاب، ۱۹۷۰ء
۱۴۔ اسلامی بیت المال کا دائرہ کار مقالہ ایم اے اسلامیات ۱۹۶۵ء	ناصرہ پروین	ایضاً۔ ۱۹۶۵/۳۰

وصلی اللہ علی النبی وآلہ وسلم

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)